مشفق خواجہ

عوض سعید کے خاکے

شخصی خاکہ نگاری ایک مشکل فن ہے۔ یہ غزل جیسی صنفِ ادب نہیں کہ ردیف و قافیہ کے گل دان میں پامال مضامین کو کاغذی پھولوں کی طرح سجا دیا جائے۔ یہ نثری نظم بھی نہیں کہ لفظوں کو اُن کے معمول سے جُدا کر کے چھوٹی بڑی سطروں میں دفن کر دیا جائے۔ یہ علامتی افسانہ بھی نہیں کہ نثری نظم والوں کے دفن کردہ الفاظ کو جھاڑ کر دوبارہ صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیا جائے۔ یہ جدید سفرنامہ بھی نہیں کہ سفرنامہ نگار خود تو ایرہوسٹسوں کے نرغے میں پرواز کرتا رہے اور بیچارہ قاری حیرت و استعجاب کی وادیٔ پُرخار میں پیدل چل چل کر اپنے تلوے لہولہان کرے۔

شخصی خاکہ نگاری کے لیے چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ سب سے پہلے تو ایسی آنکھ چاہیے جو کسی شخص کے ظاہر و باطن کا مشاہدہ کر سکے۔ پھر وہ بصیرت چاہیے جو ان عوامل کا تعین کر سکے جو کسی شخصیت کی تعمیر میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ تیسری چیز حقیقت بیانی ہے، یعنی موضوع کو اسی طرح پیش کیا جائے جیسا وہ ہے، نہ کہ لکھنے والا اپنی منشاء کے مطابق اس کے خدوخال سنوارے یا بگاڑے۔ چوتھی اور سب سے اہم چیز یہ ہے کہ خاکہ نگار کو لکھنے کا فن آتا ہو۔ وہ کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معانی پیش کرنے کے ہُنر سے واقف ہو۔

ہمارے بہت کم خاکہ نگار ان چار شرائط کو پورا کرتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس مشاہدہ ہے تو اسے یہ معلوم نہیں کہ اسے کس طرح پیش کیا جائے۔ یا پھر اکثر خاکہ نگاروں نے یہ فارمولا بنا رکھا ہے کہ موضوع کی خوبیوں کے ساتھ دو چار خامیاں بھی بیان کر دی جائیں تا کہ توازن برقرار رکھا جا سکے۔ بعض

توازن کے قائل نہیں، وہ موضوع کو ہیرو بنا کر پیش کرتے ہیں اور بعض خاکہ نگار اپنی ذات کو اس حد تک نمایاں کرتے ہیں جیسے وہ کسی اور کا خاکہ نہیں لکھ رہے، بلکہ اس سے اپنا خاکہ لکھوا یا اڑوا رہے ہیں۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اُردو میں اچھے خاکے نہیں لکھے گئے۔ لکھے گئے ہیں اور خاصی تعداد میں مثلاً پچھلے ڈیڑھ سال میں کم از کم دو مجموعے ضرور ایسے شائع ہوئے ہیں جن میں اچھے خاکے، خراب خاکوں کی نسبت زیادہ ہیں۔ ان میں سے ایک مجموعہ پاکستان میں شائع ہوا ہے اور دوسرا ہندوستان میں پاکستانی مجموعہ بزرگ افسانہ نگار ممتاز مفتی کا ہے ''اَوکھے لوگ''۔ (اوکھے پنجابی لفظ ہے جس کا مطلب ہے ''مشکل'') ہندوستانی مجموعے کا نام ''خاکے'' ہے اور اس کے مصنف ہیں عوض سعید۔

ممکن ہے عوض سعید کا نام ہمارے بعض پڑھنے والوں کے لیے نیا ہو لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ بعض پڑھنے والوں کے لیے غالب کا نام بھی نیا ہوتا ہے۔ غالب کا تعارف نامہ تو ہم پھر کبھی پیش کریں گے، فی الحال عوض سعید کے بارے میں عرض ہے کہ وہ خاصے پُرانے اور اہم افسانہ نگار ہیں۔ پاکستانی رسالوں خصوصاً میرزا ادیب کے زمانے کے ''ادبِ لطیف'' میں اُن کی کئی کہانیاں شائع ہو چکی ہیں۔ اب تک اُن کے افسانوں کے چار مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ جنھیں ادبی حلقوں میں بے حد سراہا گیا۔ ان چاروں مجموعوں کو ہندوستان کی مختلف اُردو اکیڈیمیوں کے انعامات بھی مل چکے ہیں۔ یہ بات ہم نے قیاساً لکھی ہے۔ ہمارا قیاس اس لیے غلط نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان میں اُردو کتابوں پر کثرت سے انعامات دیے جاتے ہیں۔ یہ انعام اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ کتابیں کم پڑ جاتی ہیں۔ تب مسودوں کو انعامات سے نوازا جاتا ہے آخر میں ان کتابوں کی باری آتی ہے جو ابھی بطنِ مصنف میں ہوتی ہیں۔ اس کے بعد بھی گنجائش رہ جائے تو کتابوں کی بجائے افراد کو تختۂ مشق بنایا جاتا ہے، جیسے حال ہی میں مجوزہ عالمی اردو کانفرنس کی طرف سے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور بعض دوسرے ادیبوں کے لیے انعامات کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس انعام کی خوبی یہ ہے کہ لینے والے ہی نہیں دینے والے بھی ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ہیں اس لیئے وہ دوہری مبارکباد کے مستحق ہیں۔

آیئے اب اصل موضوع کی طرف لوٹیں ۔اگر اِدھر اُدھر کی باتوں کا سلسلہ کچھ دیر اور چلتا رہا تو ڈر ہے کہ کہیں عوض سعید کی کتاب ''خاکے'' پر بھی کسی انعام کا اعلان نہ ہو جائے ۔لہذا انعام ملنے سے پہلے اس کتاب پر اظہار کر لیا جائے تو بہتر ہے، ورنہ بعد میں کسی کو اس کتاب میں کوئی خوبی نظر نہیں آئے گی ۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں شخصیات کے حوالے سے حیدرآباد دکن کی ثقافتی فضا اور ادبی ماحول کی تصویر کشی کی گئی ہے ۔ہم نے تو حیدرآباد دکن کو مرزا ظفر الحسن مرحوم یا پھر خواجہ حمید الدین شاہد کے حوالے سے دیکھا ہے ۔مرزا صاحب نے حیدرآباد کی تہذیبی زندگی پر بہت سی یادگار تحریریں چھوڑی ہیں ۔خواجہ حمید الدین شاہد کو خدا سلامت رکھے کہ حیدرآبادی تہذیب کا چلتا پھرتا نمونہ ہیں ۔اس شہر بے مثال کے بارے میں اب عوض سعید نے ہماری معلومات میں اضافہ کیا ہے ۔ان کی کتاب پڑھتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ قاری اپنے کلیۂ احزاں سے دور، حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی گلیوں، کوچوں اور ادبی محفلوں کی سیر کر رہا ہے کہیں کسی ہوٹل میں ادیب جمع ہیں، اور کہیں کسی قیام گاہ پر محفل گرم ہے ۔غرض ہر طرف گہما گہمی دکھائی دیتی ہے ۔اور زبان بھی وہی سنائی دیتی ہے جو حیدرآباد میں بولی جاتی ہے ۔

عوض سعید نے جن لوگوں کے خاکے لکھے ہیں، ان میں بیشتر معروف ادبی شخصیات ہیں ۔مثلاً مخدوم محی الدین، ابراہیم جلیس، عالم خوندمیری، سلیمان اریب، قاضی سلیم، اقبال متین، مغنی تبسم، جیلانی بانو، عزیز قیسی، وحید اختر وغیرہ ہم نے ان ادیبوں کے صرف نام سنے تھے، اب عوض سعید کی مہربانی سے انہیں ذرا قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو جی خوش ہوا ۔بعض بالکل نئی اور دلچسپ باتیں بھی معلوم ہوئیں ۔مثلاً ۔

مخدوم محی الدین: طبعاً بڑے سادہ مزاج تھے ۔

چنانچہ جب کبھی ان کی چیزیں رسائل کی زینت بنتی تھیں تو وہ بلا جھجک بک اسٹال پر جا کر

سارے پرچے خرید لیتے۔ایسے وقت وہ بڑے معصوم لگتے یہ معصومیت ہی دراصل اُن کی شخصیت کی سب سے بڑی پہچان تھی.....مخدوم عرب نژاد تھے۔ان کا خاندانی نام،''ابوسعید محمد مخدوم محی الدین حضرمی'' تھا۔عربوں کی بے پناہ خوبیوں کے ساتھ ان کی ذات میں چند کمزوریاں بھی در آئی تھیں..... اُن کے جذباتی ہونے کا عکس جابجا اُن کی پُر جوش تقریروں میں کہیں نہ کہیں عیاں ہو جاتا تھا۔تنقید سننے یا سہنے کا حوصلہ ان کی ذات میں ذرا کم کم ہی پایا جاتا تھا۔وہ (کمیونسٹ) پارٹی سے کچھ اتنے جڑے ہوئے تھے کہ ذرا بھی کسی نے ایک چبھتا ہوا جملہ کسا تو آپے سے باہر ہو گئے، پھر انھیں لاکھ سمجھائیں وہ اکھڑ سے جاتے تھے مجھے اورینٹ کی وہ سلگتی شام آج بھی یاد ہے، جب انھوں نے غصّے کے عالم میں اپنے ہی ایک ساتھی کے گال پر طمانچہ جڑ دیا تھا۔

قاضی سلیم :''جس زمانے میں وہ اورنگ آباد میں وکالت کیا کرتے تھے،انہی دنوں اتفاق سے انور معظم سے اُن کی مڈبھیڑ ہو گئی۔اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد جب انور نے اُن سے پوچھا کہ وکالت کیسی چل رہی ہے۔آج ہی ایک آدمی کو چار سال قید کروا دی ہے،پھر انور نے پوچھا وکیل کون تھا تو انہوں نے کہا میں تھا۔انور نے حیرت سے پوچھا چار سال کی سزا کیسے ہو گئی؟انھوں نے جواب دیا چار سال سے زائد ہو ہی نہیں ہو سکتی تھی۔''

مغنی تبسم :''انھوں نے اپنے اپنے لیے ایک شیڈول بنا لیا ہے جو ہر سال تبدیل ہوتا رہتا ہے۔کبھی شاذ کو فیض پر فوقیت دے دی تو کبھی دُبلے پتلے مصحف اقبال کو اچانک پہلوانوں کے اکھاڑے میں کھڑا کر دیا۔کبھی ایک کا ہاتھ تھاما تو کبھی دوسروں کا گریبان چاک کیا۔کبھی کھائی میں گرے ہوئے کسی ادھ موئے شاعر کو آواز دی تو دوسری طرف خاصے بھلے شاعر کو کنویں میں ڈھکیل دیا۔''

وحید اختر :''اپنے آگے دوسروں کو ہیچ اور حقیر سمجھنے کا جذبہ وحید کے خمیر میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔اس کے ثبوت کے لیے کبھی آپ اس سے مل کر دیکھیئے۔وہ مصافحہ کے دو منٹ بعد ہی فقرہ بازی پر اُتر آئے گا۔پہلے آپ کو خاص انداز سے دیکھے گا۔پھر مسکرائے گا۔(اگر آپ شاعر ہیں،اسے اپنا

مجموعہ پیش کریں گے تو وہ کہے گا) ہم نے آپ کا مجموعہ بادلِ نخواستہ پڑھا ہے۔ ہمارا خیال ہے بعض کتابوں کی عدم اشاعت ہی میں ادب کی خدمت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ آپ کی کتاب بھی اس زمرے میں آتی ہے، آپ نے اپنی اوقات سے کہیں زیادہ پیسہ فضول اس مجموعے میں لگا دیا۔ بہتر ہوتا کہ آپ اپنے لیے کچھ نئے کپڑے سلوا لیتے۔

اگر کوئی اس سے کہے کہ وحید اختر ہم نے آپ کا شعری مجموعہ خریدا ہے اور آج کل وہی زیرِ مطالعہ ہے۔ اس پر وہ خوش نہیں ہوگا کہ ایک کتاب فروخت ہوگئی اور نہ اس بھلے مانس سے وہ اپنی نظموں اور غزلوں کے متعلق پوچھے گا۔ اس کا جواب تو یہی ہوگا کہ آپ نے خواہ مخواہ ہمارا مجموعہ خریدنے کی حماقت کی۔ ہماری شاعری آپ کے پلے پڑنے سے تو رہی۔"

●●